The Lighthouse Journal of Literature & Linguistics, Vol. 03, Winter 2024, pp. 16-25

قدرت اللہ شہاب کی آپ بیتی ''شہاب نامہ'' میں ملکی اداروں کے مسائل کی عکاسی

فاطمہ حیات[1] پروفیسر ڈاکٹر سلمان علی[2]

ABSTRACT

Qudrat Ullah Shahab is a Novelist, fiction writer and autobiographer at a time. All the issues of his age have been addressed in his literary works. His discussion concerning the problems of the partition of India in his Novelette "Ya Khuda" reveales his in depth knowledge of the contemporary issues. In addition to this he has also written an autobiography named "Shahab Nama" where is he has highlighted the problems of bureaucracy. All this took him to have an exact knowledge of the disloyal, tartars and corrupt people in Pakistan. In his biography "Shahab Nama" he has touch upon the issues of this institution bureaucracy. This research paper seeks to the line light his own life and also the general conditions of those days. He has highlighted in his book "Shahab Nama" all those problems which he paced during his service a bureaucrat. This book not only throws light on his own life but it also reveals the entire age.

Keywords: *Autobiography, Problems, Carelessness, Bribery, Bureaucracy.*

تعارف

''شہاب نامہ'' قدرت اللہ شہاب کی خودنوشت سوانح عمری ہے۔ اس آپ بیتی میں قدرت اللہ شہاب کو جن واقعات، مشاہدات اور تجربات نے متاثر کیا اس کا ذکر اس خودنوشت میں موجود ہے، جو قاری کی دلچسپی کا باعث بنتی ہے۔ قدرت اللہ شہاب ایک اعلیٰ بیوروکریٹ تھے اور پاکستانی تاریخ کے اہم واقعات کے چشم دید گواہ بھی ہیں۔ اسی طرح قدرت اللہ شہاب اپنی سروس میں بڑے اہم عہدوں پر فائز رہے۔ انہوں نے ملک کی افراتفری کے دور کو خود دیکھا اور اسی طرح من و عن اسے اپنی آپ بیتی میں بیان کیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے ملک کے دگرگوں حالات کے تناظر میں اُن حالات کو بھی اپنی آپ بیتی کا حصہ بنایا ہے جو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے۔اس حوالے سے صدیق راعی لکھتے ہیں:

> ''شہاب نامہ میں قدرت اللہ شہاب نے نہ اُن تمام اُمور کا ذکر کیا ہے جو اُن کی زندگی کا حاصل رہا ہے۔ اُن کے خیال میں زندگی فقط ایک وقتِ معین تک زندہ رہنا نہیں بلکہ وقت کے دھارے میں رہ کر زندگی کے چیلنجز کو قبول کرنا ہے۔ اسی طرح اس کتاب میں انہوں نے اپنی پیشہ ورانہ زندگی کے حوالے سے بعض ایسے انکشافات کیے ہیں جن سے اِن کی حقیقت نگاری کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔'' (۱)

قدرت اللہ شہاب کی اسی حقیقت نگاری نے اُنہیں لکھنے پر مجبور کیا۔ وہ بولتے کم تھے اور لکھتے زیادہ تھے وہ زندگی کی حساسیت کو سمجھنے والے ادیب تھے۔ ان کی اسی خاصیت کے حوالے سے مہب خالد اپنے مضمون ''قدرت اللہ شہاب ایوانِ صدر میں'' میں رقم طراز ہیں:

---

[1]۔ سسٹنٹ پروفیسر آف اردو گورنمنٹ گرلز کامرس کالج ارباب روڈ پشاور
[2]۔ پروفیسر، شعبۂ اُردو جامعہ پشاور

Corresponding Author's Email: fatima24830@gmail.com

Manuscript Received: Oct 24, 2024
Manuscript Accepted: 2nd Dec, 2024

''اپنے مزاج کے اعتبار سے قدرت اللہ شہاب کم گو، کم آمیز اور گوشہ گیر تھا۔ بولتا کم، لکھتا زیادہ۔'' (۲)

انہوں نے اداروں میں موجود لوگوں کی لاپرواہی اور چوری چکاری کو بھی اپنی کتاب میں بیان کیا ہے۔ خاص طور پر جب وہ تملوک میں اپنے فرائض انجام دے رہے تھے تو اُس وقت ایک سیلاب آیا تھا جس میں آٹھ دس گاؤں زیرِ آب آ چکے تھے۔ سیلاب میں گرے ہوئے اس علاقے میں گندم کا ایک گودام تھا جس میں آٹھ ہزار بوریاں بند پڑی تھیں۔ قدرت اللہ شہاب نے صوبائی حکومت سے درخواست کی کہ اس گودام کو کھول کر غلہ متاثرین میں تقسیم کر دیا جائے لیکن حکومتِ وقت کی طرف سے کوئی مثبت جواب نہ ملا۔ ایک روز قدرت اللہ شہاب نے گودام کے آس پاس تین بچوں اور دو عورتوں کی لاشیں دیکھیں تو پولیس کی سرکردگی میں گودام کھول دیا گیا۔ ان کی قائم کردہ کمیٹی نے ایماندار سے غلہ متاثرینِ سیلاب میں تقسیم کر دیا جس پر حکومتِ وقت نے ان کا تبادلہ کر دیا۔ اس حوالے سے شہاب نامہ میں قدرت اللہ شہاب یوں لکھتے ہیں:

> ''میں نے اس کمیٹی میں ہندو مہاسبھا کا نمائندہ جان بوجھ کر شامل نہیں کیا تھا۔ اس پر مہاسبھائی لیڈر ڈاکٹر شیام پرشاد مکرجی نے کلکتہ کے اخباروں میں میرے خلاف بڑے سخت بیان دیے۔ (Procurement Agent) کے وکیل نے مدناپور کے سول کورٹ میں میرے خلاف کئی لاکھ روپے کے ہرجانہ کا دعویٰ دائر کردیا۔ بنگال کے چیف سیکرٹری نے ایک بے خط روکھے خط سے مجھے صوبائی حکومت کی بے اطمینانی، ناپسندیدگی اور خفگی سے آگاہ کیا اور میری خدمات صوبہ بہار کو واپس کردیں۔ بہار کے چیف سیکرٹری نے اس قدر روکھی ٹیلی گرام کے ذریعہ غالباً سزا کے طور پر میرا تبادلہ اڑیسہ کر دیا۔'' (۳)

قدت اللہ شہاب نے اپنی آپ بیتی میں افسروں کی زندگی کی سہولیات کا ذکر کرتے اُن کی شاہانہ زندگی کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ ان لوگوں کی رہائش گاہوں میں گرمیوں میں ان کی سکون کے لیے خس ٹٹیاں اور سردیوں میں دفتروں اور گھروں میں آتش دان بنائے ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ زندگی کی بہت ساری دوسری سہولیات بھی انہیں میسر ہوتی ہیں۔ ان کو حکومت کی طرف سے بھرپور پروٹوکول دیا جاتا ہے اور ان کے حکم کے تابع بہت سارے نوکر دست بستہ ان کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔اسی طرح ان افسروں کی چوری چکاری کا ذکر کرتے ہوئے اُن تلخ حقائق کی نشاندہی کرتے ہیں جس میں عوام کے پیسوں سے خریدی ہوئی ان کے دفتر کی چیزیں بھی ان کے تبادلے کے ساتھ غائب ہو جاتی ہیں۔ غائب کرنے والے کون ہیں؟ یہی افسر جو ان دفتروں میں کام کرتے ہیں اور پھر یہی چیزیں اپنے ساتھ دوسرے دفتر میں لے کر جاتے ہیں۔ اس حقیقت کا اظہار قدرت اللہ شہاب یوں کرتے ہیں:

> '' اول تو سال بھر ایک ایک یا دو دو بسا اوقات تین ڈپٹی کمشنر بدلتے ہیں اور پھر طرہ یہ کہ جو ڈپٹی کمشنر بن جاتا ہے اس کے سامان کے ساتھ نظارت کے پنکھوں میزوں اور کرسیوں کی تعداد بھی سہواً غائب ہو جاتی ہے۔'' (۴)

سی ایس پی افسر جہاں پر بھی تعینات ہوتا ہے اُن کی رہائش کا انتظام وہاں پر کرایا جاتا ہے۔ سرکاری سامان سرکاری ہی رہتا ہے نہ کہ کسی کی ذاتی ملکیت۔ یہاں پر بار بار تبادلوں کا ذکر کرکے اس امر کی نشاندہی کی گئی ہے کہ اگر کوئی ڈپٹی کمشنر کسی ایک جگہ پر چند سالوں تک رہتا تو وہ علاقے کے مسائل کو آسانی سے سمجھ لیتا لیکن یہاں سال میں دو تین جگہ تعیناتی سے نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے والی صورتِ حال پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرا یہ کہ سرکاری سامان کی حفاظت کی ذمہ داری ان کے اولین فرائض میں شامل ہوتا ہے۔ اسی طرح الیکشن کے دوران ڈپٹی کمشنر صاحبان کو اہم ڈیوٹیاں تفویض کی جاتی ہیں۔ جس میں وہ پورے علاقے کے حالات اور جلسے جلوسوں کا صورتِ حال دیکھتے ہیں۔ اس حوالے سے قدرت اللہ شہاب لکھتے ہیں:

''ڈپٹی کمشنر صاحبان نے دل و جان کے بنے ہوئے ''جھرلو'' اپنی جیب میں ڈال دیے ہیں۔ عام زندگی میں جھرلو گھمانا مداریوں کا کسب ہے۔ جادوں کی یہ چھڑی گھما کر مداری خالی تھیلے سے زندہ کبوتر اور بند ٹوکروں سے آم لگے ہوئے پیڑ برآمد کرتے ہیں لیکن جب یہ ''جھرلو'' الیکشن کے موقع پر ڈپٹی کمشنر کے اشارے پر گھومتا ہے تو عوام کی ہتھیلیوں پر سرسوں کے کھیت کے کھیت جم جاتے ہیں۔ پولیس کی حفاظت میں مقفل تہہ خانوں کے کواڑ ''کھل جا سم سم '' کے جادو سے وا ہو جاتے ہیں۔ لوہے کی سر بمہر صندوقچیاں ٹوٹ جاتی ہیں اور نا اہل امیدواروں کے نام پڑے ہوئے ووٹ تناسخ ارواح کے اصول پر لائق و فائق امیدوار کے بکسوں میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ یہی بھرپور ووٹوں کی جعلی پرچیاں بنوا دیتا ہے۔ اسی جھرلو کی فیض سے ووٹوں کی تعداد ووٹروں کی تعداد سے کئی گنا بڑھ جاتی ہے اور اسی جھرلو کی برکات کا نزول ہے کہ افسرون کی ترقیاں ہوتی ہیں ان کے تبادلے رُکتے ہیں اور ان کی عزیزوں، رشتہ داروں اور طفیلیوں کو نوکریاں اور امپورٹ پرمٹ مل جاتے ہیں۔'' (۵)

الیکشن کے دوران اور حکومت ملنے کے بعد اقربا پروری کا یہ ماحول پاکستان میں ہر وقت گرم رہتا ہے جس میں ہر کوئی اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے لیے نوکریاں، گاڑیاں، کاروبار اور زندگی کی بہت ساری سہولتوں کا انتظام کرتے ہیں۔ قدرت اللہ شہاب نے یہاں الیکشن کا الگ اور نیا رُخ پیش کیا ہے اور افسروں کے فرائضِ منصبی سے غفلت اور کوتاہی کو سامننے لایا گیا ہے۔کسی بھی ملک کے انتخابات کا انحصار اس ملک کے مستقبل سے جڑا ہوتا ہے۔ اگر انتخابات میں عوام کی رائے مسترد کر دی جائے تو ایک طرف یہ غداری کا ارتکاب ہوتا ہے اور دوسری طرف نااہل لوگوں کو کرسی پر بٹھا کر ملک کو تنزلی کا شکار کرنے کے مترادف ہے۔ اور اگر انتخاب کرنا ہی تھا تو انتخابات کا ڈھونگ رچا کر حکومت کے پیسوں کو کیوں ضائع کیا گیا۔ یہاں پر قدرت اللہ شہاب نے بیوروکریسی کی غلط پالیسیوں کو آڑے ہاتھوں لیا ہے جو لوگوں کا خوب طریقے سے استعمال کرکے اپنے ذاتی مفادات کو ترجیح دیتے ہیں اور قومی مفادات کو پسِ پشت ڈال کر ایک قانونی جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس واقعے سے جڑے ایک اور واقعے کی نشاندہی وہ یوں کرتے ہیں:

''ایک اچھے خاصے متوسط درجہ کے خاندان کا سربراہ اچانک لا پتہ ہو گیا۔ الیکشن کے سلسلے میں وہ کچھ ناپسندیدہ قسم کی اکڑفوں دکھا رہا تھا۔ اس کے بیٹے نے درخواست دی کہ الیشکن کے روز میرے باپ کو مخالف پارٹی نے اُٹھا کر نہر میں پھینک دیا تھا۔ اب تک اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ درخواست پر تفتیش کا حکم جاری ہوا۔ رپورٹ آئی ''مسمی مذکورہ عرصہ سے مفقود ہے''۔ پھر مسمی مذکور کا الزام بے بنیاد ہے۔ چنانچہ پھر مذکور کو زیرِ جرم قانون دروغ گوئی ماخوذ کیا جائے۔ چالان زیرِ تکمیل ہے۔ درخوست ہٰذا داخل دفتر ہو۔'' (٦)

ڈپٹی کمشنر کے طور پر تعیناتی کے دوران انہوں نے گاؤں کے زمینی مالک کے ظلم و ستم اور مزارعہ کے ساتھ ناروا سلوک کی حقیقی تصویر پیش کی ہے جس میں مزارعہ اپنی کھیتوں میں سال بھر محنت کرتا ہے لیکن اُس کی فصل کا زیادہ تر حصہ تھانیدار اور پٹواری ہڑپ کر لے جاتا ہے اور باقی جو بچتا ہے اُس پر غریب مزارعہ گزارا کر لیتا ہے۔ یہاں پر اصل میں ان مقتدر طبقوں کی بے حسی کو نشانہ بنایا گیا ہے جو ملک کے عوام کو لوٹ رہے ہوتے ہیں، اسی طرح اُن ہوس پرستوں کے خلاف بھی ان کا قلم بڑی تیزی سے چلتا ہے جو بے بسوں کی عزتوں پر اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ اُس دور میں بے چارا غریب مزارعہ اس حد تک بے بس ہوتا تھا کہ اگر مالک کو اِن کی لڑکی پسند آجائے اور اسے اپنی ہوس کا نشانہ بنالیتا ہے تو بھی وہ چپ رہتا کیونکہ مزاحمت کرنے پر اُن سے زمین چھن جانے کا خدشہ لاحق رہتا۔ اس حوالے سے قدرت اللہ شہاب لکھتے ہیں:

''اس کنٹریبیونٹ کے بعد مزارعہ کے پاس جو رقم بچتا ہے اس میں علاقہ کی پٹواری کا فصلانہ اور تھانیدار کا نقرانہ الگ ہوتا ہے۔ باقی ماندہ جنس میں مزارعہ اپنا پیٹ پالتا ہے اور اپنے خاندان کا بھی۔ اگر حسن اتفاق سے مالک دل پھینک ہے اور مزارعہ کے خاندان میں کوئی لڑکی پکی ہوئی فصل کی طرح تیار کھڑی ہے، تو بٹائی میں اسے آبگینے میں آجاتے ہیں جو دھرتی ماتا کی کوکھ سے جنم نہیں لیتے۔'' (۷)

اس کے علاوہ قدرت اللہ شہاب نے افسروں میں رشوت خوری کی لعنت کو بھی جگہ جگہ ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ انہوں نے اس امر کی مخالفت بھی کی ہے اور ایک واقعے کو پیش کیا ہے جس میں ایک صاحب دس بارہ سال سے مسلسل رشوت لیتا ہے لیکن کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔ قدرت اللہ شہاب کے ضلع میں ایک ڈسٹرکٹ بورڈ اور تین میونسپل کمیٹیاں تھیں۔ انہوں نے ڈسٹرکٹ بورڈ کی کمزوری اور غفلت سے بھی پردہ اُٹھایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''ایک اوور سیئرصاحب تھے جو دس بارہ سال سے لگاتار دونوں ہاتھوں سے رشوت کھا رہے تھے۔ ایک روز اچانک ڈسٹرکٹ بورڈ کے ضمیر نے انگڑائی لی اور قوم کا اخلاق درست کرنے کے لیے اوورسیئر صاحب کو معطل کر دیا گیا۔ معلوم نہیں معطلی کے ایام میں اوور سیئر صاحب نے کن کن فقیری وظائف کا عمل کیا اور رفتہ رفتہ ڈسٹرکٹ بورڈ کو احساس ہونے لگا کہ رشوت بے شک بری بات ہے لیکن اوور سیئر بھی تو آخر بال بچوں والا آدمی ہے۔ اگر وہ ملازمت سے برطرف ہو گیا تو اہل و عیال کا کیا بنے گا؟ چنانچہ تجویز یہ ٹھہری کہ نہ صرف اوور سیئر کو بحال کیا جائے بلکہ اس کے منصب میں بھی خاطر خواہ ترقی کر دی جائے۔'' (۸)

درج بالا اقتباس میں قدرت اللہ شہاب نے طنزیہ انداز میں ڈسٹرکٹ بورڈ پر تنقید کی ہے۔ اصل میں اداروں کی کمزوری اور قانون کی غفلت سے ہی ایسے لوگ پیدا ہوتے ہیں جو عوام کو لوٹتے ہیں اور اُن کے جائز حقوق کے بدلے بھی اُن سے رشوت مانگتے ہیں۔

اس کے علاوہ قدرت اللہ شہاب نے ملک کے سفید پوشوں کی انا اور شرم و حیا کو منظرِ عام پر لاتے ہوئے اُن لوگوں کا حقیقی چہرہ سامنے لانے کی کوشش کی ہے جو عزت داروں کی املاک پر قابض ہوتے ہیں۔ قدرت اللہ شہاب نے علامہ محمد اقبال کے وفادار ملازم علی بخش کے ساتھ پیش آنے والے واقعے سے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ جب حکومتِ وقت نے اُنہیں لائل پور میں ایک مربع زمین بہ طورِ انعام دینے کا اعلان کیا۔ لیکن وہاں پر دوسرے لوگوں کا قبضہ تھا اور ان کے بہترے چکر لگانے کے بعد بھی انہیں وہ زمین نہیں ملی۔ اس سے ایک تو قبضہ مافیا کے خلاف مزاحمت کا عنصر نمایاں ہے اور دوسری حکومتِ وقت کی غفلت اور کمزوری کو بھی منظرِ عام پر لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ قدرت اللہ شہاب لکھتے ہیں:

''علامہ قبال کے دیرینہ وفادار ملازم علی بخش کو حکومت نے اس کی خدمات کے سلسلے میں لائل پور میں ایک مربعہ زمین عطا کی ہے۔ وہ بے چارا کئی چکر لگا چکا ہے لیکن اُسے قبضہ نہیں ملتا، کیونکہ کچھ شریر لوگ اس پر ناجائز طور پر قابض ہیں۔'' (۹)

دنیا کی تمام تر حکومتیں جب کسی کو انعام سے نوازتے ہیں تو اُن کو وہ انعام دیتے بھی ہیں، صرف اعلان نہیں کرتے اور جب اس سلسلے میں انعام یافتہ کو کسی بھی قسم کا کوئی مسئلہ درپیش ہو تو حکومتِ وقت اُسے نمٹانے کی ذمہ داری لیتی ہے۔ لیکن یہاں معاملہ کچھ اور ہے کہ حکومت صرف اعلان تو کر دیتا ہے لیکن پھر یہ جاننے کی کوشش بھی نہیں کرتے کہ وہ انعام متعلقہ شخص کو ملا بھی کہ نہیں۔ اس سلسلے میں قدرت اللہ شہاب کو جب علم ہوا تو وہ نے علاقے کے مجسٹریٹ کے پاس علی بخش کو لے گئے۔ علی بخش کو دیکھتے ہی مجسٹریٹ نے انہیں سینے سے لگا لیا اور

کہا کہ اگر ہم یہ معمولی سا کام بھی نہیں کر سکتے تو ہم پر لعنت ہو۔لہٰذا لاکھ جتن کرکے علی بخش کو وہ زمین دلوائی گئی جو اُن کا حق تھا۔ اسی طرح قدرت اللہ شہاب جب ضلع جھنگ کے ڈپٹی کمشنر تھے تو دفتر میں ملاقاتیوں کے الگ وقت مقرر کیے گئے تھے لیکن چھٹی کے روز بھی وہ لوگوں کے مسائل سن کر بروقت حل نکالنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہاں پر انہوں نے ایک اُستانی کے مسئلے کو پیش کیا ہے جس میں اُنہیں دھمکی دی گئی تھی کہ اگر وہ ایک امیر تاجر کی بیٹی کو اچھے نمبروں سے پاس نہیں کرتی تو اُسے اغوا کر لیا جائے گا۔ ایسے مسائل کا سامنا ہمارے ملک میں ہر دوسری تیسری عورت کو ہر وقت رہتا ہے۔ اس پدرسری معاشرے میں صرف مردوں کی مرضی چلتی ہے اور مرد ہی اس معاشرے کے حاکم ٹھہرتے ہیں۔ عورت چونکہ جسمانی طور پر کمزور ہوتی ہے اور وہ مردوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی اس لیے ہر جگہ اسے زد و کوب کیا جاتا ہے۔ خاص طور پر دفتروں میں کام کرنے والی عورتوں کے مسائل تو بہت زیادہ ہوتے ہیں، اُن کی جنسی استحصال کی جاتی ہے، ترقی کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا کر دی جاتی ہیں۔، دفتر میں آتے جاتے ہوئے اور دفتر میں کام کرتے ہوئے بہت سارے لوگوں کی نظریں اُن پر ہوتی ہیں۔ انہی مسائل کو مدِ نظر رکھتے ہوئے قدرت اللہ شہاب نے ایک اُستانی کی فریاد کو اس طرح بیان کیا ہے:

> ''ایک مڈل سکول کی استانی کو خطرہ تھا کہ اس نے ایک امیر تاجر کی کند ذہن لڑکی کو اچھے نمبروں سے پاس نہ کیا تو اسے غنڈوں کے ذریعے اغوا کر لیا جائے گا۔'' (۱۰)

اس اقتباس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے معاشرے کے معمار ایک معلمہ کی بے بسی کو سامنے لایا گیا ہے۔ جس کو دھمکیاں دی جاتی ہیں کہ حق و صداقت کا ساتھ نہ دو اور اُس لڑکی کو اچھے نمبروں سے پاس کرو جو اس لائق نہیں ہے، جو حق نہیں رکھتی، ایسے میں ایک با عزت اور مجبور خاتون بے بس ہوتی ہے اور وہ غنڈوں کے ہاتھوں اغوا ہونے سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے قدرت اللہ شہاب کو فریاد کرتی ہے۔

قدرت اللہ شہاب نے ''شہاب نامہ'' میں اُن ذخیرہ اندوزوں کے خلاف بھی کھل کر لکھا جو لوگوں کی ضرورت کی چیزوں کو بلیک مارکیٹ میں فروخت کرتے ہیں اور سرکار کی بھیجی ہوئی اشیائے خورد و نوش سے اپنا کاروبار چلاتے ہیں۔ یہاں خاص طور پر انہوں نے اُن سیاست دانوں کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا ہے جو اپنے اختیارات کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ مثال دیکھیے:

> ''یکایک ایک شہری مسلم لیگ کے سالار شیر زمان خان کا نام لے کر میرے پردۂ خیال پر اُبھرا۔ تقسیم ملک سے پہلے وہ آنکھوں میں ٹھنڈک والا سرمہ بیچا کرتاتھا اور پاکستان میں آکر ضلع جھنگ شہر کی مسلم لیگ کا سالار بن بیٹھا تھا۔ اس دھونس میں دیگرکئی مراعات کے علاوہ اسے چینی کا ایک ڈپو بھی ملا ہوا تھا جس میں وہ جی بھر کر بلیک مارکیٹ کرتا تھا۔'' (۱۱)

اس شخص کا نام شیر زمان ہے جس کی تصویر کے دونوں رُخ قدرت اللہ شہاب نے دکھائے ہیں۔ پاکستان بننے سے پہلے وہ آنکھوں میں ٹھنڈک کا سرمہ بیچا کرتا تھا اور پاکستان بننے کے بعد ضلع جھنگ سیاست دان بن کر اختیارات حاصل کر چکا تھا اور چینی کا بلیک مارکیٹ کرتا تھا۔جس سے اُس دور کی بدعنوانی اور چوری چکاری کا ثبوت ملتاہے۔ ان کے خیال میں سیاست میں آنے والے ہر شخص کی پہلے ایمانداری دیکھنی چاہیے نہ کہ اُن کی زبانی جمع خرچ۔ اگر کسی ملک کو ایماندار سیاست دان نہ ملے تو وہ ملک معاشی اور اخلاقی طور پر تباہ ہو جاتا ہے۔ اسی لیے قدرت اللہ شہاب نے بعد میں اس ڈپو کو منسوخ کر دیا تھا اور اُس شخص کو پولیس کے حوالے کر دیا تھا لیکن یہاں پر بھی وہ نہ ٹکا اور پولیس سے تعلقات کی بنا پر پھر رہا ہو گئے۔ اس سے ملک کی ناگفتہ بہ صورتِ حال کا پتہ ملتا ہے کہ ایک چور اور لوگوں کا حق مارنے والا ہمیشہ اس ملک میں دندناتا پھرتا ہے، ان سے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا اور اگر قانون ان کو اپنی گرفت میں لے بھی لیتا ہے تو وہ ایسے لوگوں کو جانتا ہے جو رشوت لے کر اُن کو چھڑا لیتا ہے، اور وہ پھر سے تازہ دم ہو کر

لوگوں کا خون چوسنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ قدرت اللہ شہاب نے یہاں نہ صرف سیاست بلکہ شعبۂ پولیس کے غداروں کو بھی نشانہ بنایا ہے جو ملک کے لٹیروں کو عزت دیتے ہیں اور اُنہیں دندناتا ہوا چھوڑ دیتے ہیں۔

اعلیٰ عہدیداروں کی اقربا پروری اور ملکی مال کو لوٹنے کے مناظر بھی جگہ جگہ پر ان کی آپ بیتی میں ملتے ہیں۔ انہوں نے اس خاص امر کی نشاندہی اپنی آپ بیتی میں کی ہے کہ جب حکومتِ وقت کوئی فیکٹری یا کارخانہ بنانا چاہتا ہے تو اخبار میں خبر دے کر دعوت دی جاتی ہے کہ جو لوگ فیکٹری یا جو حکومتِ وقت کی ضرورت ہو بنا سکتے ہیں وہ درخواستیں جمع کریں۔ عموماً یہ ہوتا ہے کہ جب درخواستیں جمع ہوتی ہیں تو ایک میٹنگ بلائی جاتی ہے اور اس میٹنگ میں وہ تمام درخواستیں کھول دی جاتی ہیں اور تب مشترکہ فیصلہ ہوتا ہے کہ کس کو کام دینا ہے۔لیکن یہاں پر قدرت اللہ شہاب نے ملک کے لٹیروں اور اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں میں نوکریاں، ٹینڈرز اور ٹھیکے بانٹنے کے مسئلے کو پیش کیا ہے۔ قدرت اللہ جب صوبہ پنجاب میں ڈائریکٹر آف انڈسٹریز تھے اس وقت حکومت کی جانب سے بناسپتی گھی کی فیکٹریاں قائم کرنے کی منظوری دے دی گئی تھی اور فیکٹریاں لگانے کے خواہش مند افراد کو درخواستیں جمع کرنے کا کہا گیا تھا۔ چونکہ قدرت اللہ شہاب کو اس بات کا علم نہیں تھا اس لیے ان کا خیال تھا کہ یہ خبر غلط ہے اس لیے اس کی تردید کی جائے لیکن بعد میں پتہ چلا کہ خبر چھپنے سے پہلے ہی بعض لوگوں کو فیکٹریاں لگانے کی اجازت مل گئی ہے اور یہ خبر تو ایک فارمیلٹی تھی جسے پوری کرنا مجبوری تھی۔ اس واقعے کو قدرت اللہ شہاب یوں لکھتے ہیں:

> '' درخواستیں داخل دفتر کرتے جاؤ اور جو لوگ ملنے آئیں انہیں خوش اسلوبی سے ٹالتے جاؤ''۔ اس بات سے میں نے اندازہ لگایا کہ اخبار میں شاید غلط خبر شائع ہو گئی ہے اس لیے میں نے تجویز پیش کی کہ اس خبر کی تردید کردی جائے تو ہماری جان بہت سے بکھیروں سے بچ جائے گی۔ '' خبر صحیح ہے'' شیخ مسعود صادق نے فرمایا۔ '' نئی فیکٹریاں منظور ہوئی ہیں اور انہیں مستحق پارٹیوں میں تقسیم بھی کر دیا گیا ہے۔'' (۱۲)

یعنی ملک کے اتنے بڑے فیصلے بھی ڈائریکٹر آف انڈسٹری کے بغیر ہو جاتے ہیں جس میں ترقیاتی منصوبہ بندی کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا اور ملک کا مقتدر طبقہ، وزرا اور حکمران اپنا اپنا حصہ لے کر عیاشیوں میں مگن رہتے ہیں۔ اسی طرح اپنے اس دور کے ایک واقعے کو پیش کرتے ہیں جو ان کے ساتھ داتا گنج بخش کے دربار میں پیش آیا۔جس میں ایک نام نہاد پیر کسی سینما کو اپنے نام الٹ کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لیے انہیں عملی اقدامات کرنے کا کہتے ہیں۔ قدرت اللہ شہاب ''شہاب نامہ'' میں لکھتے ہیں:

> ''داتا صاحب پہنچتے ہی دس بارہ آدمیوں نے ہمیں ہاتھ میں لیا۔ ایک صاحب نے سبز رنگ کی باریک ململ کا دوپٹہ میرے سر پر پگڑی کے طور پر باندھ دیا۔ کچھ لوگوں نے میرے گلے میں گیندے کے پھولوں کے ہار ڈالے اور پھر وہ سب مجھے دھکیل کر ایک حجرے میں لے گئے۔
>
> حجرے میں بیٹھتے ہی نعت خوانی شروع ہو گئی اور پھر پلاؤ زردہ، قورمہ، کباب، مرغ مسلم اور طرح طرح کی نعمتوں سے بھری ہوئی قابوں کا تانتا لگ گیا۔ میں نے کسی چیز کو ہاتھ لگانے سے انکار کر دیا۔ سب نے شور مچایا کہ یہ داتا صاحب کا تبرک ہے۔ اسے کھا کر برکت حاصل ہوتی ہے، لیکن میں معافی مانگ کر اُٹھنے لگا تو اچانک عربی لباس والے بزرگ نے کاغذوں کا ایک پلندہ میرے حوالے کرکے کہا کہ آپ اسے گھر جا کر پڑھیں۔ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ حضرت داتا گنج بخشؒ کی ہدایت کے عین مطابق ہے۔اس پر عمل کرنے سے آپ کو فلاح نصیب ہوگی۔ یہ کاغذات ایک متروکہ سینما کی الائمنٹ کے

متعلق تھے۔ میں نے دفتر سے متعلقہ فائل نکلوا کر دیکھی تو یہ عقدہ کھلا کہ عربی لباس والے بزرگ ایک شہر کے لوکل باشندے اور پیر ہے۔ وہاں ایک مقامی سینما انہوں نے جعلسازی سے اپنے نام الاٹ کرا رکھا تھا۔ اب انہوں نے درخواست دے رکھی تھی کہ یہ الائمنٹ ان کے نام کنفرم کر دی جائے۔'' (۱۳)

یہاں پر داتا دربار اور دوسرے درباروں میں نام نہاد پیروں کی صورت میں بیٹھنے والے بعض افراد کا چہرہ بے نقاب کیا گیا ہے۔ قدرت اللہ شہاب اس واقعے سے بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے بورڈ سے الائمنٹ منسوخ کرلی لیکن ان پرمقدمہ نہ کر سکا جس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بعض پولیس افسران سرمایہ داروں اور جاگیر داروں کے پالے ہوئے ہوتے ہیں اور اُن کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ اسی طرح ملک سے چوری کی ہوئی دولت کو ملک کا مقتدر طبقہ باہر ممالک میں کارخانوں، فیکٹریوں اور کاروبار کی مد میں لگا لیتے ہیں جس سے ملکِ پاکستان کو بڑے نقصان کا سامنا ہے۔ اس حوالے سے قدرت اللہ شہاب لکھتے ہیں:

''جن دنوں میں بیرون ملک جمع کیے ذرِ مبادلہ کے سلسلے میں چند بڑے سیٹھوں کے خلاف انکوائری شروع کروانے میں مصروف تھا۔ ایک روز محمد شعیب میرے دفتر تشریف لائے۔ ورلڈ بینک کی ملازمت کی وجہ سے امریکہ میں اُن کے کئی لاکھ ڈالر جمع تھے۔ انہوں نے صدر ایوب کے نام ایک درخواست لکھ رکھی تھی انہیں یہ رقم امریکہ کے کسی بینک ہی میں رکھنے کی اجازت دی جائے۔'' (۱۴)

کسی بھی ملک کی ترقی اور خوشحالی کے لیے ایک ایماندار وزیرِ خزانہ کی ضرورت ہوتی ہے نہ کہ چور اور خیانت کرنے والا۔ شعیب نے بجائے اس کے کہ قدرت اللہ شہاب کی مدد کریں انہوں نے خود اپنے لیے درخواست لکھ رکھی تھی کہ میرے پیسے امریکہ کے بینکوں میں ہی رہیں۔ ملک کی آج جو ناگفتہ بہ صورتِ حال ہے اس میں ماضی کے حکمرانوں اور وزراء کی چوری اور ملک کے پیسے لوٹنے کا بڑا عمل دخل ہے۔

کسی بھی ملک یا ریاست کو ترقی یافتہ بنانے میں وہاں کے تعلیمی نظام کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے۔ پاکستان کا تعلیمی نظام شروع سے ہی ایک معمہ رہا ہے، ہمارا نصاب غیروں کے ہاتھوں بنتا ہے اور اُن ہی کے منشا کے مطابق ہمارے ملک کے طلبہ وہی چیزیں پڑھتے ہیں جو اُن کی نصاب میں شامل ہوتے ہیں۔ ایسا ہی ایک مسئلہ قدرت اللہ شہاب کے دور میں بھی پیش آیا تھا۔ خاص طور پر جب وہ وزارتِ تعلیم کے سیکرٹری کے عہدے پر براجمان تھے۔ اس دور میں مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے ٹیکسٹ بک بورڈ کا معائنہ انہوں نے کیا تو پتہ چلا کہ ''ہسٹری آف پاکستان'' کے نام سے جو نصاب پڑھائی جاتی ہے اس میں پاکستان کے خلاف پروپیگنڈے کیے گئے ہیں جو پاکستانی کی سالمیت، قومی مفادات اور پاکستان کی بدنامی کا باعث تھی۔ اصل میں یہ نصاب ایک ہندو نے کلکتہ سے تالیف کی تھی جس نے مسلمان کا فرضی نام لکھ کر اپنے مقصد کی تکمیل کرنی تھی کہ پاکستان کو بدنام کیا جائے اور پاکستانی عوام اور خاص طور پر اُن بچوں کے ذہن پر پاکستان کا ایک غلط نقشہ بٹھا دیا جائے جو آئندہ کے دور میں اس ملک کے معمار ثابت ہوں گے۔ اس واقعے کو قدرت اللہ شہاب نے یوں رقم کیا ہے:

''کسی قدر کوشش اور محنت سے ہم نے مشرقی پاکستان ٹیکسٹ بک بورڈ کی منظور شدہ ایسی درسی کتابوں کا سراغ لگایا جو پاکستان کے اتحاد، سالمیت اور قومی مفاد اور تقاضوں کے سراسر خلاف تھیں۔ انٹرمیڈیٹ کے کورس میں ''ہسٹری آف پاکستان'' کے عنوان پر انگریزی زبان میں ایک ایسی کتاب بھی تھی جو در اصل ایک ہندو نے کلکتہ میں بیٹھ کر لکھی تھی اور ایک مسلمان کے فرضی نام کے تحت ڈھاکہ میں چھپی تھی۔ یہ ایک انتہائی مفسدانہ کتاب تھی جس

میں پاکستان کے وجود، نصب العین اور تاریخی حقائق کو بری طرح مسخ کرکے پیش کیا گیا تھا۔'' (۱۵)

پاکستان کو شروع سے ہی ایسے مسائل کا سامنا کرنا پڑا ہے کہ بیرونی طاقتیں رشوت کے زور پر یہاں کے بعض غداروں سے ملک کی سالمیت کو نقصان پہنچانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ قدرت اللہ شہاب چونکہ بڑے عہدوں پر رہے ہیں اس لیے انہیں ان مسائل کا ادراک تھا، وہ ملک دشمن عناصر کو پہچانتے تھے۔ ہمارے ملک میں بھی ایسے لوگ موجود رہتے ہیں جو غیروں کے اشاروں پر ناچتے ہوئے اپنوں پرظلم کرتے ہیں اور ملک کے حالات خراب کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔ اسی طرح کا ایک واقعہ قدرت اللہ شہاب نے اپنی آپ بیتی میں تحریر کیا ہے جس میں سیاح طالب علموں کو پولیس نے روک کر تلاشی لینی چاہی اور اُن پر طرح طرح کے الزامات لگا دیے تھے اور جب طلبا نے مشتعل ہو کر احتجاج شروع کیا تو اُن پر لاٹھی چارج کی یہاں تک کہ گولیاں بھی چلائی گئیں جس سے ایک طالب علم بھی شہید ہوا۔ پولیس کا ادارہ عوام کی حفاظت کے لیے ہوتا ہے نہ کہ لوگوں میں خوف و ہراس پھیلانے کے لیے۔ لیکن یہاں پر ایسے لوگ ہر وقت موجود رہتے ہیں جو ملک کے حالات کو خراب کرنے کی کوشش میں مگن رہتے ہیں، جو غیروں کو خوش کرتے ہیں اور ملک دشمن عناصر سے اس کا بھاری معاوضہ لیتے ہیں۔ مثال ملاحظہ کریں:

''۷ نومبر ۱۹۶۸ء کو راولپنڈی میں ایک المناک واقعہ رونما ہوا۔ طلبا کا ایک گروپ طورخم وغیرہ کی سیاحت سے واپس آ رہا تھا۔ راولپنڈی پولی ٹکنیک پہنچتے ہی پولیس نے انہیں روکا اور الزام لگایا کہ وہ لنڈی کوتل کو باڑہ مارکیٹ سے بہت سا سامان سمگل کر رہے ہیں۔ اس لیے اس کی تلاشی لی جائے گی۔ یہ ایک بندھا بندھایا معمول تھا بہت سے سیاح لنڈی کوتل کے باڑہ سے کچھ خرید و فروخت کا سامان اپنے ساتھ لایا کرتے تھے اور ان سے بھی کوئی باز پرس نہ کی جاتی تھی۔ اس دستور کے برعکس جب پولیس نے طلبا کی تلاشی لینے پر اصرار کیا تو انہوں نے مشتعل ہو کر ہنگامہ برپا کر دیا۔ پولی ٹکنیک کے بہت سے طالب علم بھی اس میں شامل ہوگئے۔ پولیس نے جی بھر کر لاٹھی چارج اور آنسو گیس کا استعمال کیا۔ جب اس سے صورتِحال قابو میں نہ آ سکی تو انہوں نے گولی چلا دی جس سے ایک نوجوان طالب علم عبدالحمید جاں بحق ہو گیا۔'' (۱۶)

کسی ایک بے گناہ کو مارنا پوری انسانیت کو مارنے کے مترادف ہے، قدرت اللہ شہاب کو اس بات کا احساس تھا اور اُس کا عہدہ بھی ایسا تھا کہ وہ ان تمام باتوں کی خبر لیتا رہا۔اسی لیے جب عبدالحمید کو قتل کیا گیا تو تب سے لے کر بہت عرصے تک پولیس کی کارکردگی کی مذمت کی جاتی رہی۔ طالب علموں کے ساتھ یہ ناروا سلوک پر راولپنڈی اور پورے پاکستان کے عوام کو ایک ماتمی صورتِ حال سے گزرنا پڑا۔ طلبا پر لاٹھی چارج، آنسو گیس کا استعمال اور گولیاں چلانے سے یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ عوام کے محافظ نے ہی ان کو کاٹنے کی کوشش کی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حلف لیتے ہیں کہ ملک کی سالمیت اور عوام کی حفاظت کے لیے اپنی جان تک کی قربانی دینے سے گریز نہیں کریں گے لیکن دولت کی حرص اور لالچ کی وجہ سے انہوں نے وہ ہنگامہ کیا جس کا اُس وقت کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وطنِ عزیز کا یہ المیہ رہا ہے کہ ہماری پولیس ہمیشہ سے موردِ الزام ٹھہرتی ہے۔ کبھی ظلم و زیادتی کے حوالے سے اور کبھی چوروں، ڈاکوؤں اور قاتلوں کی پشت پناہی کرتے ہوئے۔ جو معصوموں سے زبردستی سے پیش آتے ہیں اور سرمایہ داروں کے آگے جھکنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ شاید اسی وجہ سے عوام کے دلوں میں ان کی نفرت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ اسی طرح اس آپ بیتی میں ایک معصوم لڑکی جس کا نام خانم تھا جو سولہ سال کی نوجوان لڑکی تھی جو اپنے ماں باپ اور چھوٹے بھائی کے ساتھ کسی قتل کی تفتیش کے سلسلے میں پولیس اسٹیشن لائی گئی۔اس تفتیش کے بہانے اُسے ایک کوٹھڑی میں بند کرکے ساری رات اسے اپنی درندگی کا نشانہ بنایا گیا، چند پولیس اہلکاروں نے اس کے وجود سے اپنی شہوت کی

پیاس بجھائی اور پھر اسے جان سے مار ڈالا۔ صبح خانم کی مردہ لاش کوٹھڑی میں پڑی تھی۔اس سلسلے جب پولیس سے پوچھا گیا کہ یہ کیسے مری تو انہوں نے جھوٹ موٹ کا ڈراما رچا کر اسے خودکشی ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اس واقعے کو قدرت اللہ شہاب نے بڑے حقیقی انداز سے پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ’’خانم ایک سولہ برس کی جوان لڑکی تھی جو اپنے ماں، باپ اور چھوٹے بھائی کے ہمراہ کسی قتل کی تفتیش کے سلسلے میں کھاریاں پولیس اسٹیشن میں لائی گئی تھی۔ رات کو پولیس والے اُسے ایک الگ کوٹھڑی میں لے گئے جہاں سے ساری شب اس کے چیخنے اور چلانے کا شور سنائی دیتا رہا۔ صبح کے وقت وہ انہی کوٹھڑی میں مردہ پائی گئی۔ پولیس والوں کا کہنا تھا کہ اس نے گلے میں پھندا ڈال کر خودکشی کرلی ہے۔ لیکن میڈیکل رپورٹ نے یہ ثابت کیا کہ کثیر التعداد لوگوں نے خانم کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے بعد اُس کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا تھا۔‘‘ (۱۷)

اس واقعے سے اس دور کے شعبۂ پولیس کے درندہ نما انسانوں کا چہرہ بے نقاب ہوتا ہے جس میں وہ اپنی ہوس کو کسی بھی معصوم لڑکی کے جسم سے بجھانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کے بعد اُس کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔ صرف اس لیے کہ وہ ایک بے گناہ اور کمزور لڑکی ہے ، ایک غریب خاندان سے تعلق رکھتی ہے جسے تفتیش کے بہانے اپنی ہوس کا نشانہ بنایا گیا۔آج بھی اس شعبے میں وہ غلاظت بھری پڑی ہے جس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ ’’شہاب نامہ‘‘ ایک پورے دور کی داستان کے طور پر سامنے آتی ہے جس میں ایک بیوروکریٹ (افسر شاہی) کی زندگی کے نشیب و فراز کو قدرت اللہ شہاب نے بڑی باریکی سے پیش کیا ہے۔ قدرت اللہ شہاب نے ایک ایماندار افسر کے طور پر اپنی زندگی میں ہمیشہ غریبوں، مسکینوں، مظلوموں اور ظلم کی چھکی میں پسے ہوئے عوام کا ساتھ دیا۔انہوں نے ایک عرصے تک اس ملک کی خدمت کی، ان کی زندگی کے ہر ایک قدم سے ایمانداری جھلکتی ہے۔ اُن کی آپ بیتی میں اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ انہوں نے اس ناگفتہ بہ صورتِ حال اور افسر شاہی دور میں جن نامناسب حالات کا سامنا کیا اسی وجہ سے انہوں نے استعفیٰ بھی دے دیا جسے منظور تو کر لیا گیا لیکن ان کی پنشن تین سال تک بند رہی جو ملک کے اداروں پر سوالیہ نشان ہے۔ یہ تین سال قدرت اللہ شہاب کی زندگی کے سب سے کٹھن سال تھے جس میں ان کی اہلیہ گردوں کی مرض میں مبتلا ہوئی۔ ضروریاتِ زندگی کی کمی اور اشیائے خورد و نوش کی نابودگی نے ان کی صحت کو خراب کرنے میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ قدرت اللہ شہاب نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے:

> ’’پہلے میرا خیال تھا کہ تھوڑے سے پیسوں میں پورا گھر چلانا عفت کی کوئی خاص مہارت تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ عقدہ کھلا کہ وہ مجھے اور ثاقب کو اور ہمارے مہمانوں کو تو خوب کھلاتی پلاتی رہتی تھی لیکن مشرق کی روایتی خواتین کی طرح اپنی ذات پر شدید نفس کشی اور ایثار سے کام لیتی رہی تھی۔ یہ راز مجھ پر یوں افشاں ہوا کہ اچانک اس کی صحت گرنے لگی۔ میں نے ہسپتال میں جا کر اس کا طبی معائنہ کرایا تو معلوم ہوا کہ اس کے گردوں کا نظام بری طرح بگڑ گیا ہے۔ پے درپے آپریشنوں کی وجہ سے اس کے گردے پہلے ہی کمزوری کی زد میں غیر محفوظ تھے لیکن اب ڈاکٹروں کی تشخیص تھی کہ مرض کی یہ پیچیدگی غذا کی کمی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔‘‘ (۱۸)

ملک کی خدمت کرنے والا قدرت اللہ شہاب خود کس حالت میں رہے اور اُس کے گھریلوں حالات کس طرح تھے یہ سب اس کی ایمانداری پر دلالت کرتی ہے۔ قدرت اللہ شہاب نے اپنی آپ بیتی میں بیوروکریسی کے مسائل اور پیش آنے والے واقعات کا تفصیلی ذکر کیا ہے جس سے ملک کے مقتدر طبقے کی غداری، چوری اور عیاری کو سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسی طرح

مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کی بے حسی اور خاص طور پر شعبۂ پولیس سے وابستہ افراد کے ظلم و ستم سے پردہ اُٹھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس آپ بیتی میں زندگی سے متعلق اُن تمام مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے جس کا تعلق ایک عام فرد سے ہے۔ ایک عام انسان اپنی زندگی کو جس طرح گزارتا ہے، بالکل اسی طرح قدرت اللہ شہاب نے اپنی زندگی کو پیش کیا اور اپنی پیشہ ورانہ زندگی کے دوران پیش آنے والے مسائل اور واقعات کو حقیقی روپ میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسی طرح ان کی آپ بیتی ''شہاب نامہ'' اپنے دور کے سیاسی، سماجی اور تاریخی عوامل کا احاطہ کرتی ہے اور ان کی یہ آپ بیتی ایک جگ بیتی کی صورت میں سامنے آتی ہے۔

حوالہ جات:

۱۔صدیق راعی، بزرگ منش شہاب، الفیصل، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۱۷

۲۔م۔ ب۔ خالد، ''قدرت اللہ شہاب ---- ایوان صدر میں'' مشمولہ ذکر شہاب۔ مرتب اشفاق احمد ،ص۔۱۰۲

۳۔قدرت اللہ شہاب، شہاب نامہ، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، اشاعتِ چہارم، ۲۰۱۳ء، ص ۱۵۴

۴۔ایضاً، ص ۳۱۱

۵۔ایضاً، ص ۳۲۰

٦۔ایضاً، ص ۳۲۲

۷۔ایضاً، ص ۳۳۵

۸۔ایضاً، ص ۳۴۱

۹۔ایضاً، ص ۳۴۵

۱۰۔ایضاً، ص ۳۵۲

۱۱۔ایضاً، ص ۳۶۱

۱۲۔ایضاً، ص ۴۲۴

۱۳۔ایضاً، ص ۴۲۶

۱۴۔ایضاً، ص ۵۷۹

۱۵۔ایضاً، ص ۶۱۲

۱۶۔ایضاً، ص ۷۰۴

۱۷۔ایضاً، ص ۷۰۶

۱۸۔ایضاً، ص ۷۴۴